خالد ہمایوں

# اسّی فی صد دولت بائیس گھرانوں میں کیسے سمٹ گئی؟

یہ آج سے تقریباً تیس سال پہلے کا ذکر ہے جب جنرل محمد ایوب خان کی حکومت نے پورے ملک میں صنعتوں کا جال بچھادیا تھا۔ ریڈیو اور اخبارات دن رات تعمیر و ترقی کے راگ الاپ رہے تھے۔ کئی سیاسی لیڈروں کو عملی سیاست میں حصہ لینے سے روک دیا گیا تھا۔ سیاسی جماعتیں نیم جاں تھیں۔ اخبارات و جرائد پر کئی قسم کی پابندیاں تھیں۔ زندگی کے کسی دائرے میں اگر کہیں سرگرمی سے کام ہورہا تھا تو وہ کارخانے تھے جو ہر طرف دھڑا دھڑ کھل رہے تھے۔ حکومت کارخانے لگانے والوں کی حوصلہ افزائی کر رہی تھی۔ انہیں بیرون ملک سے نئی نئی مشینیں منگوانے کے لیے پرمٹ اور لائسنس دے رہی تھی۔ آسان شرطوں پر قرضے بھی دیے جارہے تھے۔ اس کے علاوہ بھی بے شمار سہولتیں فراہم کی جارہی تھیں۔ سب سے بڑھ کر ہر قسم کی ہنگامہ آرائی سے پاک ماحول تھا۔ سیاسی جماعتوں کی طرح مزدور تنظیموں پر بھی کڑی پابندیاں تھیں۔ ایوب حکومت سے پہلے چونکہ سیاسی عدم استحکام تھا اس لیے قابل ذکر اقتصادی ترقی نہ ہوسکی تھی۔ بیروزگاری عام تھی اب کارخانے کھلنے لگے تو بیروزگار آبادی نے سکھ کا سانس لیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے پیداواری عمل اتنی تیزی سے آگے بڑھا کہ یہ خیال عام ہونے لگا کہ اگر ترقی کی رفتار یہی رہی تو بعید نہیں پاکستان جاپان کو بھی پیچھے چھوڑ جائے۔ آج بھی لوگ اس دور کو یاد کرتے ہیں لیکن وہ یہ نہیں سمجھ پاتے کہ اسی تعمیر و ترقی کے عمل کے اندر تخریب کے ہنگامے بھی خاموشی کے ساتھ پلنے لگے تھے۔

مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ اس دور میں ان فیکٹریوں کے اندر کیا کچھ ہورہا تھا، جہاں ایک ایک یونٹ میں ہزاروں مزدور کام کررہے تھے۔ البتہ میں نے گجرات شہر کے برتن سازی کے چھوٹے چھوٹے کارخانوں میں جو کچھ دیکھا، اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ بڑے صنعتی اداروں میں لوٹ کھسوٹ کا کیا عالم ہوگا۔ کیونکہ چند سال کے اندر اندر پاکستان کی اسی فی صد دولت بائیس گھرانوں میں سمٹ گئی اور سیدھا سادا مسلمان مزدور روٹی، کپڑے، مکان اور صحت کے مسائل میں اتنا گھر گیا کہ وہ سوشلزم جیسے لادین نظریے کو ووٹ دینے پر تل گیا۔

میرے گھر کے نزدیک میرے بعض قریبی عزیزوں کے دیسی چینی کے برتنوں کے کارخانے تھے۔ میرا اکثر وقت ایک بڑے کارخانے کے دفتر میں گزرتا تھا۔ وہیں اخبار وغیرہ کا پابندی سے مطالعہ کرتا اور مالکان کا اندازِ کاروبار کا بھی مشاہدہ کرتا۔ کسی وقت عین دوپہر کو پتلون شرٹ میں ملبوس ایک بابو صاحب دفتر میں داخل ہوتے۔ ان کے پیچھے ان کا چپڑاسی بیگ اٹھائے ہوئے ہوتا تھا۔ دفتر کے لوگ ابھی سوالیہ نظروں سے بابو صاحب کو دیکھ ہی رہے ہوتے کہ چپڑاسی بابو صاحب کا تعارف کچھ اس طرح سے کرواتا، "جناب! محمد سعید صاحب آپ کے نئے لیبر انسپکٹر ہیں" دفتر کے لوگ "جناب تشریف رکھیے" کہتے ہوئے فوراً کرسیوں سے اٹھ کھڑے ہوتے۔ فیکٹری کے

مالکان کسی ملازم سے کہتے، "او لڑکے، دوڑ کے کنٹین سے دو ٹھنڈی ٹھنڈی بوتلیں پکڑ لا" انسپکٹر صاحب فوراً کہتے "نہیں جناب تکلف کی ضرورت نہیں۔ میں ذرا فیکٹری کا راؤنڈ لگالوں" مالکان کہتے، نہیں سر! آپ اتنی شدید گرمی میں تشریف لائے ہیں۔ پنکھے تلے ذرا پسینہ تو سکھالیجئے" انسپکٹر صاحب بیٹھ جاتے۔ بوتل تھامتے اور پسینہ سکھانے لگتے۔ ادھر مالکان مینجر کو آنکھ سے اشارہ کرتے، جس کا مطلب ہوتا کہ کچھ مزدوروں کو فیکٹری سے رفوچکر کروادو۔ ادھر انسپکٹر صاحب راؤنڈ لگانے کے لئے فیکٹری میں قدم رکھتے، ادھر آدھی لیبر منظر سے غائب ہو چکی ہوتی۔

اس زمانے میں برتنوں کے کارخانوں کے پیچھے سمال انڈسٹریز اسٹیٹ کا ایریا کھلا پڑا تھا۔ مزدور اس طرف دوڑ لگادیتے۔ کبھی کبھی میں آتے جاتے اچانک مزدوروں کو دوڑتے بھاگتے دیکھتا تو پوچھتا، بھئی کیا ہوا، کیوں بھاگ رہے ہو؟ تو مزدور جن میں بڑی تعداد کم عمر بچوں کی ہوتی پھولے ہوئے سانس کے ساتھ جواب دیتے، "افسر آگئے ہیں، مینجر صاحب نے ہمیں کہا ہے کہ ایریے کی طرف بھاگ جاؤ" اس افراتفری میں کچھ گڑبڑ بھی ہوجاتی۔ بعض ایسے ملازمین انسپکٹر صاحب کے ہاتھ آجاتے جن کے نام فیکٹری کے حاضری رجسٹر میں درج نہ ملتے تو مالکان وضاحت دیتے کہ یہ شاگرد پیشہ ملازم ہیں، ابھی کام سیکھ رہے ہیں" اس کے بعد دفتر میں مالکان اور انسپکٹر صاحب کے درمیان ذرا آہستہ آواز میں تبادلہ خیال ہوتا مالکان کے عموماً یہ مکالمے ہوتے "جناب آپ کو پتہ ہی ہے کہ آج کل اس کاروبار میں بہت مندا ہے کوئی بڑا نفع تورہ نہیں گیا۔ چونکہ اب کام بدلنا مشکل ہے اس لیے کسٹم پشٹم اسی کو چلا رہے ہیں۔ آپ سے پہلے جو لیبر انسپکٹر تھے وہ ماشاء اللہ ہمارے ساتھ بہت تعاون کرتے تھے۔ اب جلد ہی ہمارے مینجر صاحب آپ کے دفتر میں حاضر ہوں گے۔ آپ فکر نہ کریں۔ "اس کے بعد جب انسپکٹر صاحب ارد گرد کے دوسرے کارخانوں کا دورہ کرتے تو وہاں اتنی دیر میں سب "انتظامات" درست ہو چکے ہوتے۔

چند دن بعد میں اخبار پڑھتے پڑھتے مینجر کو مالکان سے اس قسم کی گفتگو کرتے ہوئے سن رہا ہوتا۔ "جناب کیا بتاؤں۔ یہ انسپکٹر خاصا اکھڑ مزاج واقع ہوا ہے۔ بہت منایا اسے مگر وہ تو پٹھے پر ہاتھ نہیں دھرنے دیتا تھا۔ بار بار کہتا، آپ لوگوں نے حاضری رجسٹر پورے نہیں رکھے ہوئے۔ بہت مشکل سے اسے راضی کیا۔ اب جتنے دن یہاں رہے گا، ادھر چکر نہیں لگائے گا، میں ہڈی ڈال آیا ہوں"۔

اسی طرح کسی دن میں کسی ایسے شخص کو دفتر میں آتے دیکھتا جس کا کہنا ہوتا کہ میں فیکٹری میں سپلائی ہونے والی بجلی چیک کرنا چاہتا ہوں۔ مالکان بادل نخواستہ اسے فیکٹری کا راؤنڈ لگواتے وہ دفتر میں لوٹتا تو الیکٹرک موٹروں کی تعداد اور ان کی پاور کے بارے میں اعتراضات کرتا لیکن تھوڑی دیر گفتگو کرنے کے بعد قدرے اطمینان سے رخصت ہوجاتا۔

کبھی کبھی مالکان حساب کتاب کے رجسٹروں کی گٹھڑیاں ہمارے گھر بھجوادیتے کہ انہیں پیٹیوں اور صندوقوں وغیرہ میں بند کرکے رکھا جائے۔ شروع شروع میں مجھے حیرت ہوتی کہ انہیں چھپا کر رکھنے میں آخر کیا راز ہے۔ آہستہ آہستہ معلوم ہوا کہ کاروبار کے دو طرح کے رجسٹر بنائے جاتے ہیں۔ ایک وہ جو طلب کرنے پر فوراً سرکاری محکموں کو دکھادیے جاتے اور دوسرے وہ جن میں آمد اور خرچ کا اصل حساب کتاب درج ہوتا تھا۔ مالکان کو دھڑکا لگا رہتا کہ کہیں چھاپے والوں کے ہاتھ یہ رجسٹر نہ آجائیں۔ (بقیہ صفحہ ۲۱ پر دیکھیں)